Dr. Rizwana Perween

R.N. College Hajipur Vaishali

B.A Part - I (Hon.)

Paper - II

Date :- 11-09-2020

Time :- 10:30 A.M

Topic :- Urdu ke awalin drame.

اردو کے اوّلین ڈرامے

اردو کے اوّلین ڈرامے لکھنؤ میں لکھے اور اسٹیج پر پیش کیے گئے۔ لکھنؤ کی رنگ رلیاں، اہل لکھنؤ کی عیش پسندی اور واجد علی شاہ کی جدت پسند طبیعت ان ڈراموں کے وجود میں آنے کا سبب ہوئیں۔ بے شک یہ ڈرامے فن کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے اس لیے بعض اہلِ نظر نے انھیں ڈراما تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی چیز پہلی بار وجود میں آتی ہے تو وہ ہر لحاظ سے مکمل نہیں ہوتی بلکہ اس میں طرح طرح کی خامیاں ہوتی ہیں۔ یہی حال ان ڈراموں کا ہے۔

واجد علی شاہ کے رہس : واجد علی شاہ کے لکھنؤ میں ہر طرف ناچ گانے کے چرچے تھے۔ اہلِ لکھنؤ کی عیش پسند طبیعت دل بہلانے کے نت نئے ساز سامان ڈھونڈتی رہتی تھی۔ خود اودھ کے تاجدار واجد علی شاہ کو فنونِ لطیفہ سے بہت دلچسپی تھی۔ انھیں طرح طرح کے تفریحی مشاغل ایجاد کرنے کا شوق تھا۔ ہمارے کلچر میں کرشن لیلا، سوانگ، بہروپ، نقالوں اور بھانڈوں کے تماشے کی روایت پہلے سے موجود تھی۔ راس لیلاؤں کے نمونے پر واجد علی شاہ نے خود متعدد رہس ترتیب دیے۔ رادھا اور کرشن کے قصے پہلے ہی مشہور تھے۔ ان کی بنیاد پر واجد علی شاہ نے دو مختصر ڈرامے لکھے جنھیں "رادھا اور کنھیا کا قصہ" نام دیا گیا۔ واجد علی شاہ نے اپنی کئی مثنویوں کو بھی ڈرامے کی شکل دی اور ہر مثنوی کو کئی مناظر میں تقسیم کیا۔ ہر رات ایک منظر اسٹیج پر پیش کیا جاتا تھا۔

واجد علی شاہ نے ایک رہس خانہ بنوایا۔ اس میں مختلف پارٹ ادا کرنے کے لیے حسین لڑکیاں ملازم رکھی گئیں۔ سازندے، گوَیّا، ایکٹروں کو ہدایت دینے والے اچھی اچھی

تنخواہوں پر رہس خانے میں نوکر رکھے گئے۔ طرح طرح کے لباس وزیورات
واجد علی شاہ کو اس میں اتنی دلچسپی تھی کہ روزانہ کئی گھنٹے رہس خانے میں گزارتے تھے اور
کرنے والوں کو ضروری ہدایات دیتے تھے۔

شاہی رہس خانے کے ڈرامے عام رعایا کے لیے نہیں تھے۔ صرف خواص ہی ان سے لطف اندوز ہو سکتے تھے لیکن یہ ڈرامے اتنے پسند کیے گئے کہ ان کی شہرت محلات کے باہر پہنچی اور رعایا بھی اپنا شوق پورا کرنے کے لیے بیتاب ہوگئی۔

امانت کی اندر سبھا : شاہی رہس کی شہرت سن کر اور اہلِ لکھنؤ کے شوق کو دیکھ کر آغا حسن امانت کے دل میں ایک تماشا ترتیب دینے کا خیال آیا۔ مثنوی سحر البیان اور مثنوی گلزار نسیم اس زمانے میں بہت مقبول تھیں اور جلسوں میں سنائی جاتی تھیں۔ ان مثنویوں کے عشق سے لبریز قصے امانت کے سامنے تھے۔ شاہی رہس کے قصے سن سن کر انھوں نے یہ بھی جان لیا تھا کہ کسی قصے کو کس طرح اسٹیج پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے "اندر سبھا" کے نام سے ایک قصہ ترتیب دیا۔ ناقدین نے اسے اردو کا پہلا باضابطہ ڈراما تسلیم کیا ہے۔

اندر سبھا کا قصہ مختصراً یہ ہے کہ راجا اندر اپنا دربار سجاتا ہے۔ جہاں بہت سی پریاں اپنے ناچ گانے سے راجا کا دل بہلاتی ہیں۔ سبز پری گلفام نام کے ایک شہزادے پر عاشق ہو جاتی ہے۔ راجا اندر خفا ہو کر گلفام کو کنوئیں میں قید کرا دیتا ہے اور پری کے پر کٹوا کے دربار سے نکلوا دیتا ہے۔ وہ جوگن بن کر ہر طرف در در پھرے گیت گاتی پھرتی ہے۔ راجا شہرت سن کر اسے بلواتا ہے۔ گانا سن کر خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے مانگ کیا انعام مانگتی ہے۔ وہ انعام میں گلفام کو مانگ لیتی ہے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ جوگن دراصل سبز پری تھی۔ آخر اس کا قصور معاف ہوتا ہے۔ گلفام رہا کر دیا جاتا ہے۔ آخرکار عاشق و معشوق کے ملاپ پر قصہ ختم ہوتا ہے۔

اندر سبھا ۱۸۵۲ء میں لکھی گئی اور ۱۸۵۴ء میں کھیلی گئی یعنی اسٹیج پر پیش کی گئی۔ امانت

نے کوئی ڈراما دیکھا نہیں تھا۔ شاہی رہس کے بارے میں انھوں نے صرف سنا تھا لیکن
داد دینی پڑتی ہے کہ انھوں نے غور و فکر سے کام لیا اور ایک صنف کو جس کے باقاعدہ
وہ خود ہی ہیں اپنے قدموں پر کھڑا کر دیا۔ انھوں نے تخیل سے کام لے کر بہت سی دشواریوں
کا حل ڈھونڈ لیا مثلاً شہزادہ گلفام کو کنویں میں ڈالا جانا کس طرح دکھایا جاتا۔ گلفام کو لے جا کر
اسٹیج کے ایک کونے میں بٹھا دیا جاتا ہے اور ناظرین سمجھ لیتے ہیں کہ اسے کنویں میں ڈال
دیا گیا۔ آخر میں ایک ایکٹر اس کے نزدیک جاتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیتا ہے۔ اس کا مطلب
یہ ہوا کہ گلفام کو کنویں سے نکال لیا گیا۔

اندر سبھا میں گانے بہت زیادہ ہیں اور عوام کی پسند کے عشقیہ گانے ہیں۔ دراصل
امانت نے ہر معاملے میں عوام کی پسند کو ذہن میں رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ڈراما ہر طرف مقبول
ہو گیا۔ اندر سبھا کے جواب میں کئی اندر سبھائیں لکھی گئیں اور آخر کار ہر ڈرامے کو اندر سبھا کہا جانے
لگا۔ ڈراما لکھنؤ سے نکل کر دوسرے شہروں بلکہ دیہات تک میں پہنچ گیا اور بہت سی ناٹک کمپنیاں
قائم ہو گئیں۔

ڈاکٹر مسیح الزماں لکھتے ہیں: "اندر سبھا جب لکھنؤ میں کھیلی گئی تو لوگوں نے اس نئی چیز
کو بہت پسند کیا۔ ہر طرف اس کا چرچا ہونے لگا۔ اس نے ہمارے ڈرامائی ادب کو اسٹیج کا
راستہ دکھایا اور وقت کی شاہراہ پر ایسی مشعل جلائی جس کی روشنی میں اردو ڈرامے اور تھیٹر کا
کارواں چل پڑا۔"